جنوری ۱۹۷۳ء

ماہنامہ

میثاق

لاہور

بانی: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

شمارہ ۱-۲	جنوری فروری ، ۱۹۷۳ء	جلد ۲۰

فہرست مضامین

- عرض احوال ★ اعتذار ---- اسرار احمد ۲
- فضیلت ابوبکرؓ و عمرؓ (۴) ------ شاہ ولی اللہ دہلویؒ ۳
- عربی تہذیب کے زیر اثر یورپ میں سائنسی نقطۂ نظر کی ترویج و ترقی --- پروفیسر اعجاز احمد چودھری ۸
- فلسفہ و حکمت ۔ ★ کانٹ سے مارکس تک .... پروفیسر یوسف سلیم چشتی ۱۷

5408

یکے از مطبوعات

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

۱۲- افغانی روڈ، سمن آباد ، لاہور (فون : ۶۸۲۴۵)

قیمت : [illegible]س پیسے

عرض احوال

اسرار احمد

5408
ج - ۲۰ - ۱۹

اعتذار

تقریباً ڈھائی ماہ کے انتظار کے بعد میثاق کی ایک ادھوری اشاعت پا کر قارئین کو جو کوفت ہو گی اس کا ہمیں شدت کے ساتھ احساس ہے۔ لیکن حالات ہی کچھ ایسے ناگفتہ بہ رہے کہ اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا۔ کہاں تو ہمارا یہ خیال تھا کہ ' مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور، کے زیر اہتمام پہلا شمارہ خصوصی آب وتاب سے شائع ہو گا کہاں یہ صورت جو بالکل " وَاَلْقَیْنَا عَلٰی کُرْسِیِّهٖ جَسَدًا " کے مصداق ہے۔ بہرحال اگر اس سے بھی " ثُمَّ اَنَابَ " والا معاملہ بن جائے تو گھاٹے کا سودا نہیں! - یہی رمز ہے حضرت علیؓ کے اس مشہور قول میں کہ " عرفتُ رَبّی بِفَسْخِ الْعَزائم!"

اب مارچ کا شمارہ بھی لامحالہ کچھ لیٹ ہو جائے گا - البتہ اگر اللہ نے چاہا تو ماہ اپریل سے اشاعت باقاعدہ ہو جائیگی - اِلَّا اَنْ یَّشَاءَ رَبِّی!

مستقل خریداروں کو اس شمارے کے ساتھ ایک ایک نسخہ "اسلام کی نشاۃ ثانیہ: کرنیکا اصل کام" کے تازہ ایڈیشن کا، اور ایک ایک کاپی "مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور" کے قواعد و ضوابط کی ارسال کی جا رہی ہے - یہ سب مل کر ایک اشاعت کے قائم مقام بن جائینگے - اور بقیہ ایک ماہ کا ناغہ مدت خریداری میں محسوب کر لیا جائیگا:

اللہ تعالیٰ ہمارا حامی اور مددگار ہو - !!

فضیلتِ ابوبکرؓ و عمرؓ (۴)

اردو ترجمہ

قُرَّۃُ العَیْنَیْن فِی تَفْضِیلِ الشَّیْخَیْن

تالیف

شاہ ولی اللہ دہلویؒ

نوع دوم ۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ حضرت ابوبکرؓ کے آپ پر احسان ہیں ۔

ابوسعید الخدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابوبکر ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے مجھ پر از روئے دولت اور از روئے رفاقت دوسروں سے بڑھ کر احسان کیا، اس حدیث کو بخاری، مسلم اور ترمذی نے نقل کیا ہے ۔ حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث ہے کہ نبیؐ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم نے ہر شخص کو اس کے احسان کا پورا پورا بدلہ دے دیا ماسوا ابوبکرؓ کے، ابوبکرؓ نے ہم سے ایسی ایسی بھلائی کی ہے کہ قیامت کے روز انہیں اُس کا اجر خدا ہی دے سکتا ہے، کسی کے مال نے مجھے وہ فائدہ نہ پہنچایا جو ابوبکرؓ کے مال نے پہنچایا، اس حدیث کو ترمذی نے نقل کیا ہے ۔ حضرت علی مرتضیٰؓ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ابوبکر پر اللہ کی رحمت ہو، انہوں نے مجھ سے اپنی بیٹی بیاہ دی اور مجھے دارالہجرت کی طرف لے گئے ۔ اس حدیث کو الحاکم نے نقل کیا ہے ۔

نوع سوم : حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت ابوبکرؓ کو اپنے وصال کے قریب یہ شرف بخشنا کہ ان کے سوا باقی سب کے دریچے بند کرا دیئے، ابوسعید الخدری کی حدیث میں ہے کہ

"ابوبکرؓ کے دریچے کے سوا کوئی دریچہ باقی نہ رہنے دیا جائے"۔ اس حدیث کو بخاری، مسلم اور ترمذی نے نقل کیا ہے، حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکرؓ کے دروازے کے سوا سب دروازے بند کر دینے کا حکم فرمایا۔ اس حدیث کو ترمذی نے نقل کیا ہے۔

نوع چہارم: ـــــ اولیّت اسلام ابوبکرؓ

ابو درداءؓ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مجھے اللہ نے آپ لوگوں کی طرف اپنا رسول بنا کر بھیجا مگر تم نے کہا، یہ جھوٹ کہتا ہے جبکہ ابوبکرؓ نے کہا یہ سچ کہتا ہے۔ پھر ابوبکرؓ نے میری غم خواری میں جان بھی کھپائی اور مال و دولت بھی، پھر کیا تم میری خاطر میرے دوست سے ٹل نہیں جاتے۔ اس حدیث کو بخاری نے نقل کیا ہے۔ حضرت مقدامؓ کی روایت ہے کہ (ایک بار) عقیل بن ابی طالب اور حضرت ابوبکرؓ کے مابین تلخ کلامی ہو پڑی۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا کیا تم لوگ میری خاطر میرے دوست سے ٹل نہیں سکتے، تمہارا ابوبکرؓ سے کیا مقابلہ؟ خدا کی قسم تم میں سے ہر ایک کے درخانہ پر تاریکی مسلّط ہے ماسوا درخانہ ابوبکر کے۔ ان کے در پر روشنی کا دور دورہ ہے۔ یہ حدیث ابن عساکر سے منسوب ہے۔

عمروؓ بن عبیبہؓ کی حدیث ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا، آپؐ عکاظ میں اترے ہوئے تھے۔ میں نے کہا یا رسول اللہ آپؐ کے نقشِ قدم پر اس امر میں (اسلام) کون کون چلا؟ آپؐ نے فرمایا اس امر میں میرے نقشِ قدم پر دو آدمی چلے، ایک آزاد، ایک غلام، ابوبکرؓ اور بلالؓ۔ عمرو کا بیان ہے کہ میں نے یہ سنا تو اسلام قبول کر لیا، اس حدیث کو حاکم نے نقل کیا ہے۔

حضرت عمارؓ کی حدیث ہے کہ آپ کہا کرتے تھے کہ جب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو آپؐ کے ساتھی فقط پانچ نفوس تھے، ایک غلام، دو عورتیں اور ابوبکر۔ اس حدیث کو بخاری نے نقل کیا ہے۔

نوع پنجم: آغازِ بعثت میں حضرت ابوبکرؓ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مددگار ہونا

حضرت عبد اللہؓ بن عمروؓ بن العاص کی حدیث ہے جو عروۃ بن الزبیرؓ کی روایت کردہ ہے کہ میں نے عمروؓ سے پوچھا کہ مشرکین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف سخت سے سخت کیا کارروائی کی تھی۔ انہوں نے جواب دیا کہ میں نے عقبہ بن ابی معیط کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی طرف آتے دیکھا، آپؐ اس وقت نماز پڑھ رہے تھے۔ اس نے آپؐ کی گردن میں اپنی چادر ڈال کر بڑی شدت کے ساتھ گھونٹ دیا۔ اسی عالم میں ابوبکرؓ آن پہنچے اور انہوں نے اسے رسول اللہؐ سے پرے ہٹایا اور کہا کیا تم اس آدمی کے درپئے قتل ہو جو یہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے اور جو تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس واضح نشانیاں لے کر آیا ہے۔ اس حدیث کو بخاری نے نقل کیا ہے۔

حضرت انسؓ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنا زدوکوب کیا گیا کہ آپؐ بے ہوش ہو گئے، اس پر ابوبکرؓ نے اُٹھ کر آواز بلند کی اور کہا بُرا ہو تمہارا کیا تم اس آدمی کے درپئے قتل ہو جو کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے۔ پوچھا گیا یہ کون شخص ہے۔ بتایا گیا ہے کہ یہ ابن ابی قحافہ ہے جسے جنون لاحق ہے۔ اس حدیث کو حاکم نے نقل کیا ہے۔

اسماء بنت ابوبکرؓ کی حدیث ہے وہ یہ کہ ان سے پوچھا گیا آپ کا کیا خیال ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرکین کی جانب سے شدید ترین تکلیف کیا پہنچی تھی۔ حضرت اسماء نے بتایا کہ مشرکین مسجد الحرام میں بیٹھک جمائے ہوئے تھے کہ اپنے بتوں کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک دوسرے سے ذکر کرنے لگے، نیز یہ کہ آپؐ انکے بتوں کے بارے میں کیا کچھ کہتے ہیں وہ یہ باتیں کر رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد الحرام میں داخل ہوئے۔ چنانچہ مشرکین ان کی طرف اٹھ چلے، اب وہ آپؐ سے جو کچھ بھی پوچھتے آپ تصدیق فرماتے، پھر وہ بولے کیا تم ہمارے بتوں کے حق میں یہ یہ کچھ نہیں کہتے ہو؟ آپؐ نے فرمایا، "بجا"۔ اس پر وہ سب لوگ آپؐ سے الجھ پڑے، چیخ پکار کی صدا حضرت ابوبکرؓ تک بھی پہنچی، اور ان سے کہا گیا کہ اپنے دوست کی مدد کو پہنچو، چنانچہ وہ نکلے اور مسجد الحرام میں آئے دیکھا تو لوگوں نے آپؐ کو گھیر رکھا ہے۔ لہٰذا انہوں نے کہا "بُرا ہو تمہارا" کیا تم اس آدمی کے درپئے قتل ہو جو کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے حالانکہ وہ تمہارے پاس اللہ کی طرف سے واضح نشانیاں لے کر آیا ہے۔ یہ سُن کر اُن لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ دیا اور ابوبکرؓ پر پل پڑے اور انہیں پیٹ ڈالا۔ اسما کہتی ہیں کہ وہ (ابوبکرؓ) ہمارے پاس واپس آ گئے، حالت یہ تھی کہ وہ اپنی مینڈھیوں میں سے جس بال کو بھی ہاتھ لگاتے وہی ہاتھ کے ساتھ چلا آتا، اور وہ کہہ اٹھتے، تبارکتَ یا ذالجلال والاکرام۔ اس حدیث کو ابوعمرو نے الاستیعاب میں نقل کیا ہے۔

نوع ششم: حضرت ابوبکرؓ میں طرح طرح کی خوبیوں کا جمع ہو جانا

حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث ہے کہ انہوں نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آج تم میں سے روزہ کس نے رکھا ہوا ہے ابوبکرؓ نے جواب دیا "میں نے"، آپؐ نے فرمایا۔

آج کسی جنازے کے ساتھ کون گیا؟ ابوبکرؓ نے جواب دیا "میں"۔ آپؐ نے فرمایا، آج کسی مسکین کو کھانا کس نے کھلایا؟ ابوبکرؓ نے جواب دیا، "میں نے"۔ آپؐ نے فرمایا، آج کسی مریض کی عیادت کس نے کی؟ ابوبکرؓ نے جواب دیا، "میں نے" اس پر آپؐ نے ارشاد کیا "جس شخص میں یہ سب خوبیاں جمع ہو جائیں وہ جنت میں جائے ہی جائے۔" اس حدیث کو بخاری اور مسلم نے نقل کیا ہے۔

نوع ہفتم: جنت کے آٹھوں دروازوں میں سے فرشتوں کا ابوبکرؓ کو آواز دینا

حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اللہ کی راہ میں (کسی شئے کے بھی) دو جوڑے خرچ کئے اسے جنت کے دروازوں میں سے آواز دے کے بلایا گیا اور کہا گیا اے بندۂ خدا یہ (دروازہ) بہتر ہے۔ ویسے جو اہلِ صلوٰۃ میں سے ہو اسے باب صلوٰۃ میں سے پکارا گیا۔ جو اہلِ جہاد میں سے ہو اسے باب جہاد میں سے پکارا گیا۔ اور جو اہلِ صیام میں سے ہو اسے باب سیرابی میں سے پکارا گیا۔ جو اہلِ صدقہ میں سے ہو اسے بابِ صدقہ میں سے پکارا گیا۔ اس پر ابوبکرؓ نے کہا، یا رسول اللہؐ میرے ماں باپ آپؐ پر قربان، یہ تو ضروری نہیں کہ اُن دروازوں میں سے بلایا جانے والا کوئی شخص ایسا بھی ہو جس کے بارے میں کہا جائے کہ اسے سب دروازوں میں سے بلایا گیا ہو۔ آپؐ نے فرمایا ہاں اور مجھے امید ہے تم انہی میں سے ہو گے (یعنی تمہیں ہر دروازۂ جنت میں سے بلایا جائے گا) اس حدیث کو بخاری، مسلم اور ترمذی نے نقل کیا، مالک نے مؤطا میں درج کیا۔

نوع ہشتم: بہشت میں سب سے پہلے ابوبکرؓ داخل ہوں گے

حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جبرائیلؑ آئے اور میرا ہاتھ پکڑ لیا اور مجھے جنت کا وہ دروازہ دکھایا جس میں سے میری امت کو داخل ہونا ہے۔ اس پر ابوبکرؓ نے کہا یا رسول اللہؐ اے کاش! میں بھی آپؐ کے ہمراہ ہوتا اور اس طرح میں بھی جنت دیکھ لیتا۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اے ابوبکرؓ! میری امت کا پہلا فرد جو جنت میں داخل ہو گا وہ تم ہو گے۔ اس حدیث کو ابوداؤد نے نقل کیا ہے۔

نوع نہم: اللہ تعالیٰ کا بطورِ خاص حضرت ابوبکرؓ کی خاطر تجلی افروز ہونا

حضرت جابرؓ کی حدیث ہے جس کا تعلق (بنی) عبدالقیس کے وفد سے ہے، وہ کہتے ہیں کہ حضرت

ابوبکرؓ نے اہلِ وفد سے جو گفتگو کی وہ بہت خوب تھی۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابوبکرؓ تمہیں اللہ تعالےٰ نے رضوان اکبر سے نوازا ہے۔ لوگوں (حاضرین) میں سے کسی نے پوچھا، یارسول اللہؐ! "رضوان اکبر" سے کیا مراد ہے۔ آپؐ نے فرمایا اللہ تعالےٰ آخرت میں اپنے بندوں کو اپنا عمومی جلوہ عطا کریں گے مگر ابوبکر کے لیے خصوصاً جلوہ افروز ہوں گے۔ اس حدیث کو حاکم نے درج کیا ہے۔

نوعِ دہم: حضرت صدیق اکبرؓ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ حوضِ کوثر پر حاضر ہونا

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکرؓ سے کہا تم حوض (کوثر) کے بھی میرے ساتھی ہو اور غار کے بھی، اس حدیث کو ترمذی نے نقل کیا۔

نوعِ یازدہم: حضرت صدیق اکبرؓ کا عتیق کے نام سے مشرف ہونا۔

حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے کہ ابوبکرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے آئے، آپؐ نے فرمایا تم کو اللہ نے آگ سے آزاد (عتیق) کیا۔ چنانچہ اس روز سے انہیں عتیق کہا جانے لگا۔ اس حدیث کو ترمذی اور حاکم نے نقل کیا۔

أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا

مبادیِ تدبّرِ قرآن

— از مولانا امین احسن اصلاحی

عمدہ سفید کاغذ پر آفسٹ کی طباعت میں

بڑا سائز یعنی ۲۲×۸ کے دو سو صفحات پر مشتمل، مضبوط جلد اور دبیز آفسٹ پیپر کے خوشنما ڈسٹ کور کے ساتھ ——— قیمت -/۶ روپے۔ (محصول ڈاک علاوہ)

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن (رجسٹرڈ)، ۱۲-افغانی روڈ، سمن آباد لاہور

تالیف:
ڈاکٹر سٹین وڈ قاب
سابق پروفیسر رابرٹ کالج، استنبول، ترکیہ

عربی تہذیب کے زیر اثر یورپ میں سائنسی نقطۂ نظر کی ترویج و ترقی

(۲)

ترجمہ

پروفیسر اعجاز احمد چودھری، استاد ہاشمی میموریل کالج آف کامرس، لاہور

(۶)

سترہویں صدی عیسوی میں سائنسی تحریک اور جدید نظریات کی عملی جدوجہد کے ساتھ ساتھ یورپ کی مادی ترقی میں بھی دن رات اضافہ ہوتا گیا جس کا بالآخر نتیجہ یہ نکلا کہ یورپ "میکانکی دورِ قوت" (POWER AGE) میں داخل ہو گیا جس نے روزمرہ کی یورپی زندگی کی ظاہری ہیئت کو بالکل منقلب کر دیا۔

گیسوں کی وسعت پذیر استعداد کے بارے میں راجر بوآئیلے (ROGER BOYLE) نے کئی تجربات کئے۔ یہی تجربات بعد میں دخانی انجن (STEAM ENGINE) کی ایجاد میں مفید ثابت ہوئے۔ بوآئیلے کو اس لحاظ سے جدید سائنس کا جدِ امجد (ADAM) شمار کیا جا سکتا ہے بیکن کی سائنسی تصنیفات سے راجر بوآئیلے نے اکتسابِ فیض کیا تھا۔ لیکن بوآئیلے جلد ہی سائنسی اعمال اور دساتیر کی عملیت (عملی قدر و قیمت) میں اپنے استاد سے آگے نکل گیا۔ بوآئیلے نے ہی اپنے تجرباتی نتائج کی صحیح صحیح پیمائش کی۔ راجر بوآئیلے اُن یورپی سائنس دانوں میں سے اہم شخصیت تھی۔ جنہوں نے اصولی مسائل کا عملیت سے اور مسائل ریاضی کا تجربیت سے رشتہ منسلک کیا تھا

طبعیات میں بوآئیلے کا اثر بہت وسیع ہے۔ اس شعبے میں اس نے باقاعدہ قانونِ گیس پیش

کیا۔ جس کے مطابق گیس کے دباؤ کی اکائیاں گیس کی جسامت کے تناسب بر عکس سے بڑھتی اور گھٹتی ہیں۔ دنیا میں یہ قانون شائع کرنے کے بعد بوآئیلے نے ہواکش پمپ کو پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ یہی ہواکش پمپ دخانی پمپ (STEAM PUMP) اور دخانی انجن (STEAM ENGINE) کا پیش رو ثابت ہوا۔ یاد رہے کہ ہواکش پمپ کی نامکمل ابتدائی بھونڈی شکل والی گیورک (VON GHERICKE) نے راجر بوآئیلے سے پہلے ہی تیار کر لی تھی۔ راجر بوآئیلے نے تو آب منجمد کی قوتِ وسعت پذیری، کثافتِ اضافی، آبی شماریات اور بجلی کے سلسلے میں اہم تحقیقات پیش کیں۔

سائنس کے علاوہ راجر بوآئیلے فلسفہ اور مذہب کا دلدادہ بھی تھا۔ اس کا ذہن ہمہ گیر صفات کا مالک تھا۔ وہ یونانی اور اسلامی دنیائے علم و فن کے بہترین سائنسدانوں کا ہم پلہ تھا۔ برطانوی فلسفہ دان سر فرانسس بیکن (SIR FRANCIS BACON) اور فرانسیسی مفکر ڈیکارٹ (DESCARTE) اور آئرش سائنس دان راجر بوآئیلے (ROGAR BOYLE) کی مساعی جمیلہ سے جدید سائنسی عہد کا آغاز ہوا۔ تجربہ، ریاضیاتی صحت اور منظم منصوبہ بندی اس سائنسی عہد میں تحقیق کے اساسی اصول قرار پائے۔ عہد جدیدہ کی یہ سائنس قرونِ ماضیہ کی سائنس سے مختلف الہیئت اور مختلف النوع تھی۔

(۷)

نسل انسانی نے سترھویں صدی میں فقید المثال سائنسی ترقی کی۔ انسان کی تخلیقی جدوجہد سے نئی نئی ایجادات معرضِ وجود میں آئیں۔

مسٹر ہربرٹ بٹر فیلڈ (HERBERT BUTTERFIELD) اپنی تاریخی کتاب بعنوان "مصادرِ علوم جدیدہ" میں لکھتے ہیں کہ محض "تاریخ سائنس" کے مطالعہ سے نہیں بلکہ مجموعی طور پر تاریخ تمدن و تہذیب سے ہم یہ پتہ اخذ کر سکتے ہیں کہ سترھویں صدی شمسی میں ایک زبردست انقلاب ہیئت وقوع پذیر ہو رہا تھا۔ اس لیے ہم یہ نتیجہ اخذ کرنے میں حق بجانب ہیں کہ "تاریخ کے اس اہم موڑ پر ہماری جدید ثقافت نمایاں طور پر ظہور پذیر ہو گئی تھی"۔

تاریخ عالم میں پہلی دفعہ انسانی و حیوانی قوت کے بجائے میکانیکی قوت (یعنی مشینی توانائی) استعمال کی جانے لگی۔ دھڑا دھڑ مشینیں چلنے لگیں۔ انسان صدیوں سے قدرت کی عظیم و بے پناہ طاقتوں کی غلامی میں جکڑا ہوا تھا۔ اس دور میں انسانیت مظاہر فطرت کے چنگل سے آزادی حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئی۔

مؤرخین نے دخانی انجن (STEAM ENGINE) کی ایجاد کے سلسلے میں کئی ایک توجیہات پیش کی ہیں۔ جن میں آب وہوا کی اہمیت بھی مسلّم ہے۔ یورپ اور انگلستان کی سرد اور برفبار فضاؤں میں کوئلے کے وسیع ذخائر تھے اور یہاں کوئلہ عام استعمال ہوتا تھا۔ اس طرح یورپی باشندے آتش گیری اور گیسوں کے جملہ مسائل سے پہلے ہی خاصی دلچسپی رکھتے تھے۔ ماہیت حرارت کے سمجھنے میں ان کی دلچسپی نمایاں تھی۔ ان تمام حقائق کی وجہ سے گیس کے قوانین وسعت پذیری ایجاد ہوئے۔ بالآخر بھاپ کو طبعی قوت کے طور پر استعمال کیا جانے لگا۔ یہ بالکل ناممکن بات ہے کہ دخانی قوت (STEAM POWER) کی ایجاد گرم ملکوں میں وقوع پذیر ہوتی جن کو پہلے ہی مصنوعی حرارت کی بہت کم ضرورت ہوتی تھی، نیز ان گرم ملکوں میں دخانی عہد (STEAM AGE) کے لیے ایندھن کی مطلوبہ مقدار کی شدید کمی بھی تھی۔

عہدِ قوتِ جدیدہ کی ترقی کا ایک مزید سبب یہ بھی تھا کہ پہلے صنعت وحرفت اور تجارت کے لئے مزدوروں کی شدید ضرورت ہوا کرتی تھی لیکن عصرِ حاضر میں غلامی کی قانونی ممانعت کے باعث انسانوں سے جبری بیگار نہیں لی جا سکتی تھی۔ اس لئے مجبوراً قدرتی ذرائع سے قوت و توانائی حاصل کی جانے لگی۔ جن ملکوں میں مزدوری سستی اور وافر ہو وہ عہدِ جدیدہ (MODERN POWER AGE) میں کبھی بھی داخل نہیں ہو سکتے تھے۔

(۸)

دخانی انجن (STEAM ENGINE) مندرجہ ذیل ارتقائی مراحل سے گذرا تھا۔ سب سے پہلے ۱۶۵۰ شمسی میں واں گیورک (VON GUERICKE) نے ہوا کا پمپ تیار کیا جس کو بعد میں بوآئیلے نے مکمل کیا۔ اس پمپ کے خول یا ظرف کو گیسی مادے سے بالکل خالی کر لیا جاتا تھا۔ اس سائنسی تدبیر و ترکیب نے فراغی قوت (VACUUM) سے وزن کھینچنا یا وزن اٹھانا بالکل مہمل کر دیا تھا۔ اسی اصول کے پیشِ نظر ۱۶۹۸ شمسی میں نیو کامن (NEW COMMON) نے دیکم پمپ ایجاد کیا۔

نیو کامن نے اپنے انجن میں فراغ پیدا کرنے کے لیے بھاپ کا استعمال کیا۔ لیکن یہ طریقہ اس قدر غیر مفید ثابت ہوا کہ نیو کامن کو دخانی انجن کا موجد قرار نہ دیا جا سکا۔ بعد میں سکاٹ لینڈ کے ایک انجنیئر جیمز واٹ (JAMES WATT) نے سٹیم انجن تیار کیا۔ حالانکہ یہ انجنیئر گلاسگو یونیورسٹی میں محض ریاضیاتی آلات کی تیاری کے لیے بطور کاریگر کام کرنے پر مامور تھا۔

جیمز واٹ (JAMES WATT) یونیورسٹی کے پروفیسر جوزف بلیک (JOSEPH BLACK) کا گہرا دوست تھا۔ یہ پروفیسر تاریخ طبعی (NATURAL HISTORY) پڑھاتے تھے۔ غالباً جوزف بلیک کے ایما پر ہی واٹ نے نیوکامن کے ابتدائی سٹیم انجن کی ترقی کے لیے تجربات کا سلسلہ شروع کیا اور نیوکامن کے سٹیم انجن میں ضروری ترامیم کیں۔ دخانی نقصان سے بچنے کے لیے واٹ نے پروفیسر بلیک کی راہنمائی میں بھاپ کے خواص کا مطالعہ شروع کیا۔ اس نے بھاپ کی کثافت، دباؤ اور درجہ حرارت کا اضافی و تقابلی مطالعہ کیا۔ حتیٰ کہ ۱۷۶۹ء شمسی میں دنیا کا پہلا سٹیم انجن تیار کیا گیا۔ پھر آئندہ دس سال تک واٹ اپنی ایجاد کی ترقی کے لیے مزید کوشش کرتا رہا جس کا شاندار نتیجہ یہ نکلا کہ اس نے جدید سٹیم انجن کے تمام بنیادی عناصر کو اپنی ایجاد میں شامل کر کے اس کو مکمل کر دیا۔

یونانیوں اور عربوں کی ایجادات واقعی عظیم الشان اور فقید المثال تھیں لیکن ان ایجادات نے انسانی زندگی کی ہیئتِ اجتماعیہ کو منقلب کرنے میں عملی طور پر کوئی نمایاں حصہ نہیں لیا۔ یونا عربی (GRACEO-ARABIC) ثقافت کے عروج سے مدتوں پہلے ہی انسان نے زراعت کی ترویج و ترقی میں بے پناہ جدوجہد کی تھی پھر کیا تھا دیکھتے ہی دیکھتے انسانی آبادیوں کا قیام عمل میں آنے لگا۔ اس مبارک و مسعود صورتِ حال میں انسانی خوراک کا مسئلہ حل ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی نیم وحشی شکاری انسان متمدن کاشتکار کی شکل اختیار کر گیا۔ یہ انسانی ترقی کا اولین دور تھا۔

سائنسی توانائی اور قوت کے جدید دور سے صدیوں پہلے انسان ترقی کا وسطانی عہد ہے جس میں انسان معقولات کی پیچیدگیوں میں الجھا رہتا لیکن جلد ہی انسان "حیوان ناطق" سے ترقی کر کے میکانکی ہتھیار اور اوزار استعمال کرنے والا ماہر بن گیا۔

انسانی ترقی کا اب تیسرا دور شروع ہو گیا ہے۔ بجا طور پر اس دور کو خلائی دور (SPACE AGE) کہہ سکتے ہیں۔ شاید کوئی ایسا وقت آجائے جب ارضی انسان اپنے ترقی پسندانہ رجحانات کے باعث نظام شمسی کے دوسرے کروں پر آبادکاری شروع کر دے۔ (اسی ترقیاتی ہیجان کے زیر اثر بعض اہل دانش کو آئندہ ٹسٹ ٹیوب (TEST TUBE) تہذیب کی خاکہ کشی سے فرصت نہیں ملتی اور اکثر تو خلائی بم (SPACE BOMB) کی دہشت میں مبتلا ہیں) لیکن اس کرۂ ارض کی اہم ترین اور شدید ترین وقتی ضرورت یہ ہے کہ انسان ظالمانہ و سفاکانہ جنگ و جدال سے اس کو جہنم بنانے کے بجائے کس طرح فردوس بریں میں تبدیل کر سکتا ہے وہ فردوس جس میں اتحاد، مساوات، عدل و انصاف کا دور دورہ ہو۔

فلسفہ و حکمت

پروفیسر یوسف سلیم چشتی

کانٹ سے مارکس تک (۲)

فشٹے (FICHTE) (۱۷۶۲-۱۸۱۴)

اگرچہ فشٹے نے ابتداً کانٹ کے نظریۂ علم کو تسلیم کر لیا تھا۔ لیکن کچھ عرصے کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ کانٹ کی "شئی بذاتِ خود"[1] کا خارج میں کہیں وجود نہیں ہے۔ وہ محض ہمارے ذہن کی اختراع ہے۔ یعنی اس کا وجود محض ذہنی ہے۔ نفس ناطقہ جو مُدرِک ہے اور اشیاء جو مُدرَک ہیں، دونوں ہماری ایغو (EGO) سے وابستہ ہیں اور ایک ہی شعور کے اجزا ہیں۔ اسی لیے فشٹے کا فلسفہ، موضوعی تصوریت — (SUBJECTIVE IDEALISM) کہلاتا ہے جس کی رو سے یہ خارجی دنیا ایک منفی وجود یا غیر خودی (NON-EGO) قرار پاتی ہے جسے ہماری خودی اپنے باطن میں قائم کر لیتی ہے اور جب اُس سے متصادم ہوتی ہے تو اُسے شعورِ ذاتِ خویش حاصل ہو جاتا ہے۔

خودی (SELF) کا حقیقی مفہوم صرف اخلاقی دائرے (SPHERE) میں ظاہر ہوتا ہے کیونکہ حیات محض فکر نہیں ہے بلکہ عمل بھی ہے۔ اس لیے اخلاقی زندگی کے لیے فطرت کا موجود ہونا لازمی ہے تاکہ وہ ایک مزاحم یا حاجز یا مانع (OBSTACLE) کا کام دے سکے۔

جب خودی، فطرت کی مزاحمت پر غالب آئے گی تو اخلاقی قانون کا تقاضا پورا ہو جائیگا۔

جب افراد اپنی خودی کے تحقق کے لیے کوشش کرتے ہیں تو اس جدوجہد میں فشٹے ایک عالمگیر روحِ مطلق (خدا) کے ظہور کا مشاہدہ کرتا ہے۔ یعنی یہ کائنات مظہرِ ذاتِ باری تعالیٰ ہے۔ فشٹے اس وجودِ کلّی کو، جو دنیا میں اخلاقی نظام کی بنیاد ہے، صفاتِ ایزدی سے متصف کرتا ہے۔ بالفاظِ دیگر فشٹے خدا کو اخلاقی نظام سے تعبیر کرتا ہے، اور کائنات کو اس وجود کے ظہور فی الخارج سے تعبیر

---

[1] "THING — IN — ITSELF"

کرتا ہے انسانیت اس کی رائے میں المطلق کا ازلی ظہور ہے۔
یہ بات بھی لائق تذکرہ ہے کہ فشٹے عیسائی مذہب کے عقیدۂ تجسّم کو تسلیم نہیں کرتا۔ اس کی رائے میں ہر شخص مظہرِ صفاتِ باری تعالیٰ ہے۔ مسیح ابن مریم کو کوئی خصوصیت حاصل نہیں ہے۔ ہر شخص میں ایزدی صفات پوشیدہ ہیں[1]

نوٹ: اقبال نے اپنی مثنوی "اسرارِ خودی" کا آغاز حسب ذیل اشعار سے کیا ہے جو فشٹے کے فلسفۂ خودی کی ترجمانی کر رہے ہیں۔ اس لیے میرا خیال یہ ہے کہ اقبال کا فلسفۂ خودی فشٹے سے ماخوذ ہے:

پیکرِ ہستی ز آثارِ خودی است — ہر چہ می بینی ز اسرارِ خودی است
خویشتن را چوں خودی بیدار کرد — آشکارا عالم پندار کرد
صد جہاں پوشیدہ اندر ذات او — غیر او پیداست از اثبات او
در جہاں تخم حضومت کاشت است — خویشتن را غیر خود پنداشت است
سازد از خود پیکرِ اغیار را — تا فزاید لذّتِ پیکار را

خلیفہ عبدالحکیم کا خیال بھی یہی ہے چنانچہ ترجمان الاسرار کے دیباچے میں صـ۲۳ پر لکھتے ہیں:۔
"اقبال مشہور جرمن فلسفی فشٹے کا ہمنوا ہو کر کہتا ہے کہ کائنات کا وجود (پیکرِ ہستی) خودی (EGO) ہی کا نتیجہ ہے ماسوی کا وجود، خدا کی خود ہی سے سرزد ہوا ہے۔"

کانٹ کی طرح فشٹے بھی تثلیث، تجسّم اور کفارۂ مسیح کا قائل نہیں تھا، اسی لیے جرمنی اور خصوصاً JENA کے پادریوں نے اس پر کفر کا فتویٰ لگایا جس کی وجہ سے اسے یونیورسٹی کی ملازمت ترک کرنی پڑی واضح ہو کہ انیسوی صدی میں کوئی شخص عیسائیت کا انکار کرنے کے بعد یورپ کی کسی یونیورسٹی میں پروفیسر کے عہدے پر فائز نہیں رہ سکتا تھا۔

شیلنگ (۱۷۷۵-۱۸۵۴) نے اپنی فلسفیانہ زندگی کا آغاز فشٹے کے شاگرد یا متبع کی حیثیت سے کیا لیکن جس طرح فشٹے نے کانٹ

---

[1] میرا ذاتی مسلک بھی یہی ہے کہ ہر شخص کے نہاں خانۂ قلب میں تجلّیٔ حسنِ یار پوشیدہ ہے۔ چونکہ ہم پردہ ہٹانا نہیں جانتے (جب سیکھنے نہیں تو ہٹانے کا طریقہ آئے بھی کیسے؟) اس لیے درشن کے بغیر ہی اس دارِ امتحان سے رخصت ہو جاتے ہیں اور چونکہ ع زندگی مرگ است بے دیدارِ خویش ؛ اس لئے مرنے کے بعد در حقیقت مر جاتے ہیں ؛ من کانَ فی ھٰذہٖ اعمٰی فھو فی الآخرۃ اعمٰی وَاَضَلُّ سبیلًا۔

سے اختلاف کیا، اسی طرح شیلنگ نے اپنے استاد کے افکار پر قناعت نہیں کی بلکہ فطرت کے اُس پہلو پر غور کیا جو فشٹے کی نگاہ سے اوجھل رہ گیا تھا۔ چنانچہ رفتہ رفتہ اُس نے جو نظریہ پیش کیا وہ فشٹے کے فلسفے کی ضد ہے یعنی موضوعی تصوریت کے بجائے معروضی تصوریت۔ (OBJECTIVE IDEALISM)۔

فشٹے نے کہا تھا کہ ایغو (خودی) ہی سب کچھ ہے یا ہمہ ہے۔ شیلنگ نے اس کے مقابلے میں یہ کہا کہ ہمہ ہی ایغو ہے یعنی المطلق جس طرح اپنے آپ کو عالمِ روح میں ظاہر کرتا ہے اسی طرح عالمِ فطرت میں بھی ظاہر کرتا ہے۔

فشٹے نے عالمِ محسوس کو عالمِ ورائے المحسوسات کے تابع کر دیا تھا اور اس کی حیثیت محض ضمنی رہ گئی تھی۔ شیلنگ نے دونوں عالموں کو باہم گرمربوط کر دیا اور دونوں کو یکساں لائقِ توجہ قرار دیا اور دونوں کی اہمیت تسلیم کی۔

چنانچہ شوپن ہاور کا یہ قول صداقت سے بہت نزدیک ہے کہ شیلنگ کے فلسفے کا مقصد، تصوریت (عالمِ روحانی) (IDEALISM) اور خارجیت (عالمِ جسمانی) REALISM میں ہم آہنگی پیدا کرنا تھا اور اسی لیے اکثر ناقدوں کا خیال ہے کہ شیلنگ نے فشٹے کے بعد اسپنوزا کے خیالات سے گہرا اثر قبول کیا تھا۔

بہرحال شیلنگ نے خدا کا جو تصور پیش کیا وہ یہ ہے کہ خدا اپنے آپ کو عالمِ فطرت، تاریخ عالم اور حیاتِ عالم میں ظاہر کرتا ہے۔ وہ عالمِ فطرت میں اپنے آپ کو جزوی طور پر اور شعورِ انسانی میں کلی طور پر ظاہر کرتا ہے۔ شیلنگ کا یہ قول قابلِ غور ہے کہ فطرت ذہنِ مشہود ہے اور ذہن، فطرتِ غیر مشہود ہے۔"

فشٹے کی طرح شیلنگ بھی تجسّم مسیح کے نصرانی عقیدے کو ردّ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ انسانیت بحیثیت انسانیت، مظہرِ ذاتِ باری ہے۔ مسیح ابن مریم کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔

جرمنی میں گوئٹے نے اور انگلستان میں کالرج نے شیلنگ کے فلسفیانہ افکار سے بہت اثر قبول کیا۔

ہیگل (۱۸۳۱ - ۱۷۷۰)

کانٹ نے تصوریت کی جس تحریک کا آغاز کیا تھا اس کی تکمیل، ہیگل کے فلسفۂ تصوریتِ مطلقہ کی صورت میں ہوئی۔ عصرِ حاضر میں اس کے فلسفے کی عظمت کا آفتاب اگرچہ گہنا گیا ہے تاہم حامیانِ فلسفۂ تصوریت کی نگاہ میں اس کی عظمت بدستور قائم ہے [1]

جلد ۲۰ [1] اقبال نے ہیگل کے فلسفے کو "طلسم" سے تعبیر کیا ہے:۔ صفحہ ۱۴

ہیگل اپنے شاہکار "لاجک" (LOGIC) میں اپنے نظامِ فکر کے بنیادی تصور کو بایں الفاظ پیش کرتا ہے کہ "وہ وحدت جس کی طرف تمام اشیائے کائنات رجوع کرتی ہیں، ایک روحانی اور صاحبِ شعور اصل ہے"[1] (یہ وحدت الوجود کی ایک خاص تعبیر ہے)

ہیگل اپنے دعوے کو بایں طور ثابت کرتا ہے کہ ہر وہ مقولہ جس کے ذریعے سے کائنات کی توجیہہ کی جاتی ہے مثلاً علت، قانون، جوہر، وجود وغیرہ لوگ۔ یہ سب فکر کے مختلف اوصاف ہیں اور جب ان کی وضاحت کی جاتی ہے تو شعورِ ذات کا قاعدہ ضمناً ثابت ہو جاتا ہے۔ اسی لئے ہیگل کہتا ہے کہ "المطلق، مادہ نہیں ہے بلکہ روح ہے"۔ لیکن یہ روحانی ہستی اپنی ذات کا شعور صرف اس طرح حاصل کر سکتی ہے کہ پہلے اپنے آپ کو، اپنے آپ سے خارج میں متصور کرے (از خود بیروں رود) تاکہ وہ خود ہی معروض (OBJECT) بن سکے۔ یعنی وہی ایک ذات ہے جو موضوع بھی ہے اور معروض بھی۔ صرف اسی صورت سے ذاتِ احدیت کو اپنا شعورِ ذات حاصل ہو سکتا ہے[2]

ہیگل کے نزدیک المطلق نہ تو شیلنگ کے المطلق کی طرح ایک تجریدی عینیت ——— (ABSTRACT IDENTITY) ہے اور نہ اسپنوزا کے قول کے مطابق ایک جامد جوہر ہے جس میں سارے امتیازات ضم ہو جاتے ہیں بلکہ وہ ایک زندہ روح ہے اور ایک تخلیق کرنے والی ہستی ہے جس کی ماہیئت زندگی اور حرکت اور ارتقا ہے اور یہ ارتقا کثرت سے وحدت کی طرف ہوتا ہے۔ اور اسی سے تمام محدود اشیاء خارج میں ظاہر ہوتی ہیں اور متحقق ہوتی ہیں اور اسی ذات میں تمام اختلافات

نوٹ [1] میری رائے میں، اس فقرے میں ہیگل نے وحدتِ وجود کے بحر کو کوزے میں بند کر دیا ہے۔ یہی بات فلاطینوس، اسپنوزا، برونو، فشٹے، شیلنگ، بریڈلے، شیخ اکبر، جامی رومی، بیدل، ملا بحر العلوم، خاتم الحکما مولانا فضل حق خیرآبادی اور ان کے تمام شاگردوں نے اپنے اپنے رنگ اور اپنے اپنے الفاظ میں بیان کی ہے۔

کثرت این نقش ہا عرض تجلی ہائے اوست ؛ در دو عالم غیر یک نقاش کس موجود نیست

——— حضرت جانجاناں مظہر شہیدؒ)

[2] واضح ہو کہ افلاطون سے لے کر ہیگل بلکہ بریڈلے تک تمام وجودی حکمائے تصوف ہی کی زبان میں گفتگو کی ہے جب کوئی دوسری ہستی موجود نہیں ہے تو الواحد اسکے سوا اور کیا کرے کہ پہلے خود ہی منظور بنے، پھر خود ہی ناظر بنے۔ خود ہی مشہود بنے خود ہی شاہد بنے ——— وحدۃ الوجود خواہ یونانی ہو یا ہندی، ایرانی ہو یا اسلامی، اسکی بنیادی تعلیم یہ ہے کہ دوسری ہستی موجود نہیں ہے۔

ظاہر ہوتے ہیں اور انجام کار سب اختلافات ایک وحدت میں مبدل ہو جاتے ہیں جس طرح

ع　ہر چیز کہ در کان نمک رفت نمک شد [۱]

دراصل ہیگل دوگونہ حرکت کو تسلیم کرتا ہے۔ ایک حرکت اعلیٰ سے ادنیٰ کی طرف، دوسری حرکت ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف۔ بالفاظ دگر ایک حرکت غیر محدود سے محدود کی طرف، دوسری، محدود سے غیر محدود تک۔

خدا اپنے آپ کو کائنات میں ظاہر کرتا ہے، اور یہ کائنات انسان کی محدود روح میں، دوبارہ اپنا شعور حاصل کرتی ہے۔ لہٰذا یہ کائنات روحِ مطلق کا ارتقا یا "ذاتِ باری کی توضیح" ہے۔

تاریخ، انسانی تجارب کے سلسلوں کے ذریعے سے، ذاتِ الٰہی کے تحقق ذاتی کا نام ہے۔ کائنات میں ہر جگہ ایک نظم سرگونہ کارفرما نظر آتا ہے یعنی قضیہ (THESIS) تناقض، (ANTI-THESIS) اور تالیف (SYNTHESIS) جس طرح خود ذاتِ مطلق میں، اسی طرح فطرت، انسان اور تاریخ میں، اُسی طرح مذہب، آرٹ اور فلسفے میں یہ سہ گانہ طریق عمل کارفرما ہے۔ وحدت میں کثرت، کثرت میں وحدت ترقی پذیر تغیر و امتیاز و وحدت و اختلاف و ہم آہنگی و مصالحت۔ یہی اس کائنات کی نبض ہے بلکہ یہی خدا کا جوہرِ ذات اور سرّ الاسرار ہے۔ ہر جگہ فکر کی جلوہ فرمائی ہے اور یہی فکر، حقیقت کی ہیئت یا صورت کی ضامن ہے۔ بالفاظِ دگر "وہی حقیقی ہے جو عقلی یا فکری ہے اور جو عقلی ہے یا فکری ہے، وہی حقیقی ہے"۔

اگر غور سے دیکھا جائے تو ہیگل کا فلسفہ ایک قسم کی الٰہیات ہے۔ اُس نے یہ کوشش کی ہے اور اس کی یہ کوشش بہت عالمانہ ہے، کہ وہ تمام حقیقت کا تصوّر، اصول فکر کے ظہور کی حیثیت سے کرے۔ اور یہ اصولِ فکر خود خدا کے ذہن کا جوہرِ ذات ہیں۔ اس بات کا ثبوت اس کے "فلسفۂ مذہب پر خطبات" سے مل سکتا ہے جو تین جلدوں میں شائع ہو چکے ہیں۔ ان خطبات میں اس نے حسب ذیل نکات بیان کئے ہیں جو اس موضوع سے متعلق ہیں :-

۱ - مذہب انسان کی خصوصیت ہے اور اس کا امتیازی عنصر ہے۔ باقی جملہ حیوانات اس سے محروم ہیں

۲ - یہ انسانی روح کا وہ وظیفہ ہے جس کے وسیلے سے انسان اپنے آپ اور خدا دونوں کو جان سکتا ہے۔

۳ - مذہب، انسانی فکر میں متناہی اور لامتناہی کے اتحاد کا دوسرا نام ہے۔

۴ - خدا اور انسان مماثل ہیں۔ وہ اپنی ماہیت کے اعتبار سے مختلف نہیں ہیں بلکہ ایک حقیقی یا باطنی وحدت ہیں۔

---

[۱] رومی بھی یہی کہتے ہیں :-

صیغۃ اللہ ہست رنگ خُمّ ہو　　پیسہ ہا یک رنگ گردد اندر او

۵۔ خدا کسی ایسے وجود کا مبہم مشاہدہ نہیں ہے جو ہماری دنیا سے دور کسی غیر معلوم دنیا میں خلوت گزیں ہے اور نہ وہ ایک غیر معلوم یا برائے بیت ہستی ہے۔

ہیگل نے ان خطبات میں اُن قیود یا حدود کو مٹانے کی کوشش کی ہے جو فلسفے نے مذہبی غور و فکر میں عائد کر دی تھیں۔ اور اس نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ہماری تمام فکر جب وہ علم کی گرفت میں آتی ہے، ہمارے زاویہ نگاہ سے ذہنِ انسانی کا خدا کی طرف ترفع ہے یعنی ہم بذریعہ تفکر، خدا کا قرب حاصل کر لیتے ہیں۔ اور خدا کے زاویۂ نگاہ سے یہ ہماری فکر، دراصل خدا کی طرف سے اس کی اپنی ذات کا اظہار ہے اور یہ اظہار لاتعد صورتوں میں ہو رہا ہے۔ گویا ہر حادثے سے[1] خدا ظاہر ہو رہا ہے۔

ہیگل نے ان خطبات کی دوسری جلد میں عیسائیت کو "مذہب مطلق" قرار دیا ہے۔

مَیں اس باب میں ہیگل سے شدید اختلاف کرتا ہوں۔ میری تحقیق کی رو سے موجودہ عیسائیت "مذہب مطلق" (THE ABSOLUTE RELIGION) تو کیا ہوتی، سرے سے کوئی قابلِ اعتنا مذہب ہی نہیں ہے۔ وہ دراصل قدیم ایرانی مذہب متھرایت اور ہندی مذہب بودھ دھرم اور قدیم مصری مذہب تو فلاطونیت کا ملمّع ہے جسے حضرت عیسےٰ کی تعلیمات سے کوئی نسبت نہیں ہے۔ لیکن اس مقالے کا مقصد ہیگل کے اس غلط دعوے کی تردید نہیں ہے اس لیے میں صرف اس قدر کہہ کر آگے بڑھتا ہوں کہ کانٹ کی طرح ہیگل بھی ملکی قانون سے خوف زدہ تھا۔ اگر وہ عیسائیت پر صحیح تنقید کرتا تو نوکری[2] سے ہاتھ دھونے پڑ جاتے۔

فی الجملہ ہیگل نے عیسائیت کو کامل مذہب قرار دے کر اپنے مخالفین کا منہ بند کر دیا۔ اس کے بعد اس نے یہ کہہ کر کلیسا کو بھی خوش کر دیا کہ میں صدق دل سے تثلیث پر ایمان رکھتا ہوں۔

لیکن المانیہ کے اس سب سے بڑے فلسفی نے تثلیث کی جو تعبیر پیش کی، اس نے کلیسائی عقیدۂ تثلیث کا خاتمہ بالخیر کر دیا۔ یعنی تثلیث کے بجائے توحید کا اثبات کر دیا جس کی تشریح یہ ہے:-

---

[1] یہ کیا پوچھتے ہو کہ کیا ہو رہا ہے
خدا تھا، خدا ہے، خدا ہو رہا ہے (اکبر)

[2] یہ نوکری بھی عجب شے ہے! یہ دراصل غلامی کی ایک ترقی یافتہ یا مہذب شکل ہے۔ چونکہ راقم الحروف ۱۹۱۸ء سے ۱۹۴۸ء تک اس نعمت سے لطف اندوز ہوتا رہا اسلئے اسکی خوبیوں سے بخوبی واقف ہے جب تک ضمیر اس دیوی کے چرنوں میں بطور نذرانہ پیش نہ کیا جائے یہ اپنے پجاری کو نگاہ اٹھا کے نہیں دیکھتی۔

ہیگل کہتا ہے کہ ہم خدائے واحد کو اس اعتبار سے کہ وہ ازل سے از خود بخود موجود ہے، باپ کہتے ہیں۔ اور جب وہ خالق کی حیثیت اختیار کرتا ہے تو ہم اسے "بیٹا" کہتے ہیں۔ اور جب وہ خالق کی حیثیت سے اپنی اصلی حیثیت کی طرف راجع ہوتا ہے یعنی جب اسے اپنے خدا ہونے کا کامل شعور حاصل ہو جاتا ہے تو ہم اسے روح القدس" کہتے ہیں۔

فائدہ جن لوگوں نے تاریخ کلیسا اور تاریخ عقائد عیسوی کا مطالعہ نہیں کیا ہے، ان کے لیے اتنا سمجھ لینا کافی ہوگا کہ ہیگل کی تعبیر کی رو سے تثلیث، توحید میں مبدل ہو جاتی ہے۔ خدا تین میں ایک اور ایک میں تین" نہیں ہے بلکہ صرف ایک ہے جو تین مختلف حیثیات سے ظاہر ہوتا ہے۔ اور جن لوگوں نے تاریخ عقائد عیسوی کا مطالعہ کیا ہے ان کی توجہ اس طرف مبذول کرنا چاہتا ہوں کہ تیسری صدی عیسوی میں SABELLINS سے لی اس نے جو افریقہ میں اسقف اعظم تھا، بالکل یہی بات کہی تھی کہ خدا ایک ہے۔ باپ، بیٹا اور روح قدس، یہ تین اشخاص یا اقانیم نہیں ہیں بلکہ اسی خدائے واحد کی تین حیثیات ہیں جیسے زید ایک شخص ہے مگر وہ کسی کا بیٹا ہے، کسی کا باپ ہے اور کسی کا دوست ہے۔ یہ بات عقلاً ناممکن ہے کہ خدا ایک بھی ہو اور تین بھی ہو یا تین اشخاص بیک وقت جدا گانہ بھی ہوں اور تینوں ایک بھی ہوں۔ بہرحال کلیسا نے اسے معزول کر دیا اور اس کے عقیدۂ توحید ذات باری کو کفر صریح قرار دیا۔

تاریخ کلیسا کے مطالعے سے واضح ہے کہ اگرچہ کلیسا نے تلوار کے زور سے اس عقیدے کو مدار نجات اور یسوع مسیح کی اصلی تعلیم قرار دینے میں کامیابی حاصل کر لی لیکن تیسری صدی سے آج تک کسی عیسائی فلسفی یا منطقی نے اسے تسلیم نہیں کیا بلکہ عصر حاضر میں تو بہت سے کلیسائی عہدے داروں مثلاً ڈاکٹر ریشڈل، ڈاکٹر بارنس و ڈاکٹر میجر وغیرہم نے بھی اس خلاف عقل عقیدے سے اپنی برأت کی ہے۔ ہیگل کی تعبیر تثلیث حسب ذیل ہے:۔

خدا بحیثیت غیر مقید تجرید، باپ ہے
وہی خدا بحیثیت مقید حقیقت، بیٹا ہے

اور وہی خدا بحیثیت عینیت مابین اب و ابن، روح قدس کے نام سے موسوم ہے۔

ہیگل کی وفات کے بعد، اس کے نظام کی عقلیت کے نتیجے میں، اس کے شاگردوں نے، اس کے فلسفے کی مختلف تعبیرات پیش کرنی شروع کیں اور بائیں بازو نے مسیحیت کے ساتھ ساتھ مذہب اور خدا کا بھی انکار کر دیا۔ مثلاً اسٹراس نے "حیات یسوع" میں یہ ثابت کیا کہ یسوع ایک فرضی انسان تھا اور

— (LUDWIG FEUER BACK - ۱۸۷۲ - ۱۸۰۴) نے "روحِ مسیحیت" (۱۸۴۹) میں مسیحیت اور خدا دونوں کی تردید کر دی اور خدا کے بجائے انسانیت کو مجد و شرف کا مستحق قرار دیا۔ اسی تصور پر کانگٹ نے "مذہبِ انسانیت" کا قصر تعمیر کیا۔ "روح مسیحیت" کا انگریزی ترجمہ ۱۸۵۵ء میں مس میرین ایوانس (جارج ایلیٹ) نے شائع کیا تھا:

ہیگل کے فلسفے کی نوعیت اس قسم کی ہے کہ اس کی زد، براہ راست مذہب پر پڑتی ہے۔ اس کی وضاحت یہ ہے کہ وہ المطلق (THE ABSOLUTE) کو اس حیثیت سے پیش کرتا ہے کہ وہ انسانی زندگی میں خدا کا ظہور ہے۔ اندریں صورت مذہب میں کمال اور حتمیت کے تصور کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی، خدا کا ظہور نہ ابھی تک کامل یا ختم ہوا ہے اور نہ آئندہ کبھی ایسا ہو سکے گا۔

اگر زندگی ادنےٰ مرتبے سے اعلیٰ مرتبے کی طرف ایک مسلسل ارتقائی حرکت کا نام ہے تو یہ ناممکن ہے کہ تاریخی طریق عمل میں کبھی بھی خدا کے کامل ظہور کا موقع آسکے۔ ہمارے فکری طریق عمل کی غیر محدودیت، بقید زمان و مکاں، دوامی ترقی کی متقاضی ہے۔ لہٰذا یہ حرکت کسی نقطے پر ختم نہیں ہو سکتی۔

(ب) ہیگل وجود اور عدم (BEING AND NON BEING) دونوں کو عین یک دگر قرار دیتا ہے۔ اس نے اپنی مشہور تصنیف "المنطق" میں (جو دراصل مابعد الطبیعات سے بحث کرتی ہے) یہ واضح کیا ہے کہ وجود بحت (PURE BEING) اپنی بحتیت یا صرفیت کی وجہ سے غیر مقیّد اور غیر مشروط ہے (یعنی لابشرط شی کے درجے میں ہے) لیکن جو شئ، احوال یا شروط سے بالکل معرّیٰ ہو، اسے موجود نہیں کہہ سکے (اس کی ہستی ثابت نہیں ہو سکتی) بالفاظ دگر وہ محض ایک تجرید ہے جس کا وجود خارج میں متحقق نہیں ہو سکتا۔ لیکن جو خالص تجرید ہے ہم اُسے لاشئ (NOTHING) بھی کہہ سکتے ہیں۔ لاشئ بھی معرّیٰ عن القیود و الشروط ہوتی ہے۔ لہٰذا ہیگل کی مایۂ ناز تصنیف "لاجک" (LOGIC) کا پہلا قضیہ یہ ہے کہ "وجود اور عدم و وجود دونوں عین یکدگر ہیں"۔ [1]

---

[1] میرا خیال ہے کہ اقبال نے اسی حیرت انگیز قضیے کو پڑھنے کے بعد ہیگل کے فلسفے کو "طلسم" سے تعبیر کیا ہوگا۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:۔

ہیگل کا صدف گہر سے خالی ؛ ہے اس کا طلسم سب خیالی

ہیگل کے ان شاگردوں نے جو بائیں بازو والے یا اصحاب الشمال کہلاتے ہیں اسی قضیے کو مدنظر رکھ کر خدا کا انکار کر دیا ہے کیونکہ فلسفے میں خدا کے بارے میں صرف یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ موجود ہے۔ کیونکہ ہر تعریف، دراصل تحدید اور تخصیص ہے اور محدود، ضد نہیں ہو سکتا۔

اگر خموش رہوں میں تو تو ہی ہے سب کچھ ؛ جو کچھ کہا، تو ترا حسن ہو گیا محدود (اصغر گونڈوی)

ہیگل کے فلسفیانہ نظام میں اس کے فلسفۂ واجب الوجود کو بڑی اہمیت حاصل ہے کیونکہ اسی کی پیچیدگی کی وجہ سے اس کے بعض شاگردوں مثلاً اسٹراس، فیور باخ، برونو باؤر اور کارل مارکس نے خدا کا انکار کر دیا اور انکارِ خدا کے بعد انکارِ مذہب دوسرا اور لازمی قدم ہے۔ اس کا فلسفۂ واجب الوجود حسب ذیل ہے:-

"الحق" (THE REAL) جوہر نہیں ہے بلکہ عمل (PROCESS) ہے"۔ اب اگر الحق یا واجب الوجود کوئی جوہر یعنی کوئی مستقل بالذات ہستی نہیں ہے بلکہ محض ایک عمل کا نام ہے، تو پہلا سوال یہ ہوگا کہ کس کا عمل؟ اس کا جواب ہیگل نے تو واضح طور پر کہیں نہیں دیا مگر اس کی تمام تحریروں کو مدِّ نظر رکھا جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ المطلق یا الحق یا واجب الوجود کا عمل۔ اس پر ہم یہ اعتراض کریں گے کہ عمل کو تو کسی لمحے قرار نہیں ہے اور جو شئے ہر دم متغیر ہے وہ واجب کیسے ہو سکتی ہے؟ "کُلُّ متغیّرٍ حادث"

دوسرا اعتراض یہ کہ عمل تو عامل پر موقوف ہے اس لئے الحق عامل ہے نہ کہ عمل ——— اگر کہا جائے کہ کائناتی عمل (WORLD PROCESS) ہی المطلق ہے تو سوال یہ ہے کہ یہ عمل ذی شعور ہے یا غیر آں؟ اگر ذی شعور ہے تو عمل نہیں ہے بلکہ عامل ہے۔ اس صورت میں ہیگل کا دعوے باطل ہو جائے گا۔ اگر وہ عمل، غیر ذی شعور ہے تو

(۱) کائنات میں نظم و نسق کیسے پیدا ہو گیا؟

(۲) ہم ذی شعور ہیں اس لیے غیر ذی شعور کو الحق کیونکر تسلیم کر سکتے ہیں؟ ہم اپنے آپ کو الحق کیوں نہ قرار دیں؟

(۳) ذی شعور افراد، غیر ذی شعور عمل سے کیسے ظاہر ہو گئے؟

ہیگل کے بعد

ہیگل کی وفات کے بعد اس کے شاگرد دو طبقوں میں منقسم ہو گئے (۱) مذہب کے حامی یعنی دائیں بازو والے (RIGHTISTS) (۲) مذہب کے مخالف یعنی بائیں بازو والے (LEFTISTS)

(۱) مارکس اور اینگلز نے جدلیت کے تصوّر کو ہیگل سے مستعار لیا اور اس پر اپنے معاشی نظام کا قصر تعمیر کر دیا۔

(۲) ہیگل نے کہا کہ حقیقتِ کبریٰ یا اصل الاصول روح ہے۔ مارکس نے کہا کہ حقیقتِ کبریٰ یا اصل الاصول مادّہ ہے۔ اسی لئے ایک موقع پر اس نے طنزاً کہا تھا کہ میں نے ہیگل کے فلسفہ کو جو سر کے بل تھا معکوس کر کے

صحیح کر دیا، کیونکہ مادّہ شعور کی پیداوار نہیں ہے بلکہ شعور یا نفس مُدرک مادّے کی پیداوار ہے۔

جدلیاتی مادیت (DIALECTICAL MATERIALISM) پر تین پہلو سے بحث کی جا سکتی ہے (۱) جدلیت خواہ مادی ہو یا روحانی، صحیح ہے یا نہیں (۲) مادیت صحیح ہے یا نہیں؟ (۳) مادّی جدلیت نے مظاہر کی جو تشریح کی ہے وہ صحیح ہے یا نہیں؟

بنیادی اعتراض:۔ شعور، سماجی یعنی مادّی حالات کی پیداوار ہوتا ہے۔ حالات کے بدلنے سے شعور بدل جاتا ہے (یہاں "ابدی اقدار" نہیں ہیں) تو یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ فلسفۂ جدلیت ایک ابدی یا دائمی صداقت ہے؟ کیونکہ حالات کے بدلنے سے یہ فلسفہ بھی بدل جائے گا۔

ہیگل کے جدلیت پر اعتراض:۔ (جسے مارکس نے تسلیم کر لیا) دعویٰ (THESIS) اور ضدِّ دعویٰ (ANTI THESIS) سے ہیگل کی مراد کیا ہے؟ آیا وہ حقائق مراد ہیں جو متضاد ہوتے ہیں یا وہ حقائق مراد ہیں جو متناقض ہوتے ہیں؟ اگر یہ جواب دیا جائے کہ دونوں مراد ہیں تو جدلیت ختم ہو جائیگی اس لیے کہ متناقض حقائق دعویٰ (THESIS) اور ضدِّ دعویٰ (ANTI THESIS) تو ہو سکتے ہیں مگر ان سے تالیف و ترکیب SYNTHESIS کا رنگ پیدا نہیں ہو سکتا۔

دوسرا اعتراض:۔ اثبات، نفی اور نتیجہ کا ربط باہمی کیا ہے؟ اس تعلق کی دو صورتیں ممکن ہیں:۔

پہلی یہ کہ اثبات اور نفی کو دو جداگانہ وحدتیں UNITS مانا جائے اور یہ تسلیم کیا جائے کہ اثبات اور نفی میں سے کوئی بھی ایک دوسرے سے پیدا نہیں ہوتا۔ ہاں ان کے تصادم سے تیسری حقیقت یعنی نتیجہ پیدا ہو جاتا ہے لیکن اثبات و نفی کو دو ایسی وحدتیں مان لینا جو ایک دوسرے سے پیدا نہیں ہوتی، ہیگل کے فلسفے کو منہدم کر دیتا ہے۔ اس کی وضاحت یہ ہے کہ ہیگل کا فلسفہ یہ ہے کہ وہ حقیقت کبریٰ کسی ایک وحدت کو مانتا ہے لہٰذا وہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ دونوں وحدتیں تیسری وحدت یعنی حقیقت کبریٰ سے پیدا ہوتی ہیں۔ کیونکہ اس صورت میں ہم یہ سوال کریں گے کہ حقیقت کبریٰ اثبات یا نفی میں سے کون سی وحدت ہے؟ (کسی ایسی وحدت کا تصوّر محال ہے جو اثبات و نفی دونوں سے خارج ہو)

اگر ہیگل کے متبعین، اثبات اور نفی میں سے کسی ایک وحدت کو حقیقتِ کبریٰ قرار دیں، جس سے دوسری وحدت پیدا ہوتی ہو اور دونوں سے نتیجہ پیدا ہوتا ہو و قس علی ذلک تو یہ صورت بھی خلافِ عقل ہے کیونکہ اثبات جب تک اثبات ہے اس سے نفی پیدا نہیں ہو سکتی۔ اور نفی جب تک نفی ہے اس سے اثبات پیدا نہیں ہو سکتا۔ مثلاً الیکٹران اور پروٹان (جو نیوٹران سے مل کر ایٹم کو بناتے ہیں) آپس میں مِل تو سکتے ہیں مگر ان میں سے کوئی، دوسرے سے پیدا نہیں ہو سکتا۔

چوتھا اعتراض:۔ تاریخ کے مادّی تعبیر کے اخلاق کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہے اور نہ تاریخ کی غیر بینا اور مادّی مشین میں غایت یا مقصد کا کوئی تصور موجود نہیں ہے۔ تو ایسی دنیا اخلاقی اصول پر مبنی سماج کیوں قائم کرنے کے درپے ہے جس میں ظلم کے بجائے انصاف ہوگا؟

پانچواں اعتراض:۔ اگر یہ کہا جائے کہ مادی کائنات بذاتِ خود عدل و انصاف کے لیے کوشاں ہے یعنی یہ صفت مادّے کی ذات میں داخل ہے تو پھر پیروانِ مارکس ایسی غیر طبقاتی سماج —— (CLASSLESS SOCIETY) کے لیے کیوں سعی کر رہے ہیں۔ یہ کام تو خود بخود ہو کر رہے گا؟ ہمیں جان کھپانے کی کیا ضرورت ہے؟ تاریخ اپنا فرض خود انجام دے گی یعنی ایک زمانہ خود بخود آ جائے گا جب دنیا میں عدل و انصاف قائم ہو جائے گا۔

ہیوم، کانٹ اور ہیگل کے افکارِ پریشاں کا منطقی نتیجہ بیسویں صدی میں فلسفۂ مظہریت (PHENOMENALISM) اور فلسفۂ وجودیت (EXISTENTIALISM) کی شکل میں ظاہر ہوا ہے۔ یہ دونوں فلسفے در اصل مہایان بدھ مت کے دو اصولی یا بنیادی عقائد کی تعبیر جدید ہیں۔

(۱) پہلا عقیدہ یہ ہے کہ "سروم دُکھم" یعنی یہ کائنات سراسر دُکھ، اذیّت اور الم ہے اور یہی عقیدہ فلسفۂ وجودیت کا سنگ بنیاد ہے۔

(۲) دوسرا عقیدہ جس کا سب سے بڑا شارح نگارجن ہے، یہ ہے کہ صرف مظاہر کا وجود ہے لیکن ان کے پس پردہ کوئی حقیقت مخفی نہیں ہے۔ نگارجن کا یہ نظریہ شونیے واد کہلاتا ہے۔ عصر حاضر میں جرمن فلسفی ہسرل (HUSSREL) نے اسی پُرانی شراب کو نئی بوتل میں پیش کیا ہے۔

اور میرا عقیدہ تو یہ ہے کہ عصرِ حاضر کے تمام مدارس فکر قدیم ہندی مدارسِ فکر کی صدائے بازگشت ہیں:

الغرض

فشٹے (FICHTE) نے کانٹ کے فلسفے کو تصوریت میں تبدیل کر دیا۔ اُس نے کانٹ کی —— " THING IN ITSELF " شی کما ہو کو دائرۂ ذہن میں محصور کر دیا۔ چنانچہ اس کا کہنا یہ ہے کہ تمام حقیقت، الیغو (EGO) کی فعلیت کا ثمرہ یا نتیجہ ہے، اور الیغو اپنی ماہیت کے اعتبار سے فاعل ہے اور محدود الیغو مع معروض خولیش ایک غیر مشخص الیغو کا (PRODUCT) نتیجہ یا ثمرہ ہے جو وجود کا منبع مطلق ہے۔ فشٹے نے خدا کو " کائنات کے اخلاقی نظام " کی شکل میں پیش کیا ہے۔ یعنی اُسے خدا کا نعم البدل قرار دیا۔

شیلنگ (SCHELLING) نے فشٹے کے اُس تصورِ مطلق میں جزوی تبدیلی پیدا کی، جو تمام جزئیات (جُزئی ہستیوں) کی اصل ہے۔ اُس نے موضوع اور معروض کا فرق مٹا دیا اور کہا کہ کائنات (معروض) اور ذہنِ مدرک (موضوع) عین یکدگر ہیں باعتبارِ ذات و اصل خویش۔ فطرت کا علم کیا ہے؟ فطرت کا شعورِ ذات حاصل کرنا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ ہم اُس مفروضہ "مطلق" کے بارے میں یہ کس طرح تسلیم کرلیں کہ وہ مطلق بھی ہے اور ہمارے شعور کا معروض بھی ہے یعنی محدود بھی ہے۔

بقول اکبرؔ ع ذہن میں جو گھر گیا لا انتہا کیونکر ہوا

شیلنگ نے اس دشواری کو حل کرنے کے لئے "عقلی وجدان" کی قوتِ مخفیہ کو تسلیم کیا ہے جس کی مدد سے نفس مدرک شعور کی حدود سے باہر نکل جاتا ہے اور ذاتِ بے چون و بیچگوں کا مشاہدہ کرلیتا ہے گویا معمائے کائنات کو حل کرنے کے لیے فلسفی شیلنگ، صوفی شیلنگ بن جاتا ہے۔

سچ کہا اکبرؔ نے

یہ عشق ہی ہے کہ منزل ہے جسکی الا اللہ خرد نے صرف رہِ لا الہ پائی ہے

ہیگل نے شیلنگ کے اُس ربطِ فکر کو تسلیم (قبول) کرلیا جو مطلق اور نفس مُدرک کے مابین پایا جاتا ہے۔ لیکن اس نے شیلنگ کے اُس طریقِ استدلال کو تسلیم نہیں کیا جس کی مدد سے اس نے محدود اور غیر محدود کے مابین خلیج کو پاٹنا چاہا تھا۔ یا توافق پیدا کرنا چاہا تھا۔

ہیگل نے اس طریقِ عمل PROCESS کو واضح کرنے کا بیڑا اٹھایا جس کے وسیلے سے ساری کائنات لازماً ارتقاء پذیر ہے۔ اس نے اعلان کیا کہ فکر اور وجود عین یکدگر ہیں افکار ہی اشیاء ہیں۔ ان کے علاوہ اور کسی کا وجود نہیں ہے۔ یہ کائنات تصوّرات کا ایک سلسلہ ہے۔ ہیگل کی رو سے یہ کائنات بشمول خدا و فطرت و انسان، تصورات کے ایک سلسلے کی شکل میں مبدل ہو جاتی ہے۔ یہ تصورات بذاتِ خویش ارتقائی منازل طے کرتے ہیں اور تمام حقیقت پر حاوی ہیں۔ ان سے باہر کوئی حقیقت نہیں ہے۔

اس ہمہ گیر محیط کل سلسلے میں اشیائے محسوسہ بحیثیت تصورات، اپنا مقام متعین کرتی ہیں۔ اشیا کا تعین بحیثیت تصورات ہوتا ہے۔ یہ عالم عامیوں کا نہیں ہے خالص فلسفیوں کا ہے اور یہ فلسفیانہ زاویۂ نگاہ، شعور کے ارتقا کی آخری منزل ہے۔ فلسفی ہی کے شعور میں خدا (جو مطلق ہے) اپنا شعورِ ذات حاصل کرسکتا ہے۔

ہیگل نے عیسائیت کو نیا لباس عطا کیا، جو اس کے ذہن کا تراشیدہ تھا۔ چنانچہ اُس نے تثلیث کا مفہوم یہ بیان کیا کہ ایک تو المطلق بذاتِ خویش ہے یا مرتبۂ ذات کے اعتبار سے ہے یہ المطلق،

باپ ہے۔ پھر یہی المطلق، عالم معقول میں ظاہر ہوتا ہے یعنی بیٹا کہلاتا ہے پھر یہی المطلق فلسفے میں اپنی ذات میں واپس آجاتا ہے یعنی روح قدس کہلاتا ہے۔ (سوئے خود گام می زند)

ہیگل کی وفات کے بعد اس کے متبعین دو جماعتوں میں منقسم ہوگئے (۱) اصحاب الیمین — (RIGHTISTS) اور (۲) اصحاب الشمال یا (LEFTISTS)۔ رائٹ ہیگل کے فلسفے میں اقرار خدا کے رنگ کو قائم کیا مگر جب STRAUSS نے LEBEN JESU شائع کی تو لیفٹ کا رنگ نمایاں ہو گیا یعنی خدا کا انکار اس فلسفے کی خصوصیت بن گیا۔

اس سلسلے میں فیور باخ اور کارل مارکس نے عیسائیت پر کاری ضربیں لگائیں۔ اگر اسٹراس نے یسوع کو ختم کیا تو ایف سی بور F.C. BOUR نے عہد جدید N.T کا قتل پڑھ دیا۔ اور فیور باخ نے ESSENCE OFCHRISTIANITY لکھ کر عیسائیت ہی کا خاتمہ بالخیر کر دیا۔

اسٹراس، بور، اور فیور باخ نے پادریوں کی ذہنیت کو بے نقاب کیا اور مارکس نے مذہب کو افیون قرار دیا ——— واضح ہو کہ ہیگل کے فلسفے میں خدا شخص نہیں ہے بلکہ ایک وجود مطلق ہے "لابشرطشی" کے مرتبے میں۔ نیز شخصی بقائے روح کا تصور بھی خارج از بحث ہے اس لئے ہیگل نے دراصل مذہب عیسوی کو ختم کر دیا۔ لیکن ہیگل کا کمال فن یا طلسم یہ ہے کہ وہ اپنے زمانے میں عیسوی کا حامی سمجھا جاتا تھا اور اس نے عیسائیت کو "کامل مذہب" قرار دیا ہے۔

دعوت و تبلیغ دینے کے موضوع پر

مولانا امین احسن اصلاحی

کی شاہکار تصنیف

دعوتِ دین

اور اس کا طریق کار

سائز ۱۸×۲۲ صفحات ۲۳۲، کاغذ نیوز پرنٹ، طباعت آفسٹ۔ مجلد مع ڈسٹ کور۔ قیمت :-/۵ روپے

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور (رجسٹرڈ) ۱۲۔ افغانی روڈ، سمن آباد۔ لاہور